"سارس کرین اپنے خوابوں میں سے اڑ کر جا چکے ہیں" طلسماتی حقیقت نگاری کے تناظر میں

"Sars Cranes apny Khaboon main sy Ur kar ja chuky Hain" in Talisman Realism

Dr. Muhammad Ramzan Jaffar
PhD-Urdu, NUML, Islamabad
cssexcellentacademy@gmail.com
Dr. Ambreen Tabasum Shakir Jan
Associate Professor-Urdu (HoD) NUML, Islamabad
ashakir@numl.edu.com

KEYWORDS
Journey
Infinite
Fairies
Traditions
Supernatural
Beliefs
Literary
Transcendent
Raditions

DATES

Received	**18-10-2024**
Accepted	**22-11-2024**
Published	**31-12-2024**

QR CODE

ABSTRACT

Mazhar -ul- Islam's novel "Stork cranes have flown away from their dreams" is a story based on the journey of a bird. Love is such an infinite reality that every soul cannot deny. There is a bird. Which has its own love story. However, the novelist had heard many stories about jinns, fairies and gods in his childhood. But in reality, no human has seen gods and fairies. Yet everyone acknowledges their transcendent power. Literary talismanic reality is found in the ancient Greeks. Their beliefs and religious traditions seem to be connected with the gods, as they consider them as the source of supernatural power according to their beliefs.

DOI:
https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/authorDashboard/submission/106

تلخیص:

مظہر الاسلام کا ناول "سارک کرین اپنے خوابوں میں سے اُڑ کر جا چکے ہیں" ایک پرندے کے سفر پر مبنی کہانی ہے۔ محبت ایک ایسی لامحدود حقیقت ہے جس سے ہر ذی روح انکار نہیں کر سکتا۔ ایک پرندہ ہے۔ جس کی اپنی محبت کی کہانی ہے۔ تاہم ناول نگار نے بچپن میں جنوں، پریوں اور دیوتاؤں کے بارے میں بہت سی کہانیاں سنی تھیں۔ لیکن حقیقت میں کسی انسان نے دیوتاؤں اور پریوں کو نہیں دیکھا۔ پھر بھی ہر کوئی ان کی ماورائی طاقت کو تسلیم کرتا ہے۔ ادبی طلسماتی حقیقت قدیم یونانیوں میں پائی جاتی ہے۔ ان کے عقائد اور مذہبی روایات دیوتاؤں کے ساتھ جڑی ہوئی نظر آتی ہیں، کیونکہ وہ اپنے عقائد کے مطابق انہیں مافوق الفطرت طاقت کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔

مظہر الاسلام صنف ناول نگاری میں اپنی منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ ان کی پیدائش جنوبی پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں پیرو وال میں ہوئی۔ جہاں ان کے والد محکمہ جنگلات میں ملازم تھے۔ ان کی تصانیف میں گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، باتوں کی بارش میں بھیگتی لڑکی، خط میں پوسٹ کی ہوئی دوپہر، گڑیا کی آنکھ سے شہر کو دیکھو، دعا۔ دکھ اور محبت کے موسموں کا پھول، میں۔ آپ اور وہ لوگ پنجاب، فوک لور کی پہلی کتاب، ہرا سمندر (گرمکھی)، محبت مردہ پھولوں کی سمفنی (ناول) کے علاوہ ان کا طلسماتی حقیقت نگاری پر مشتمل ناول "سارس کرین اپنے خوابوں میں اڑ کر جا چکے ہیں" شامل ہیں۔ ان کا یہ ناول ایک پرندہ کی محبت بھری داستان ہے۔ جس کو پانے کے لیے اکیسویں صدی سے اٹھارویں صدی کی طرف سفر کرتا ہے۔ جہاں ان کے خاندان کے لوگ سارس کرین ان کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ اس ناول میں ماورائی اور مافوق الفطرت کردار قاری کے لیے حیرت کا باعث بنتے ہیں۔ ادبی لحاظ سے طلسماتی حقیقت نگاری قدیم یونانیوں کے ہاں ملتی ہے۔ ان کے عقائد اور مذہبی روایات دیوتاؤں سے جڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے عقائد کے مطابق ان کو ماورائی طاقت کا منبع تصور کرتے ہیں۔ اس حوالے کیرن آرمسٹرانگ اپنی تصنیف میں اس کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> "اساطیر نے مردوں اور عورتوں کو زندگی اور موت کے کٹھور حقیقتوں کا مقابلہ کرنے پر مجبور کیا۔ انسانوں کے پاس المیہ بصیرت تھی۔ انھوں نے آسمانوں کو ماپنے کی آرزو کی، تاہم انھوں نے سمجھ لیا کہ اس کے لیے انھیں فناپذیری سامنا کرنا ہوگا، محفوظ دنیا کو چھوڑنا ہوگا، گہرائیوں میں اترنا اور اپنی پرانی شخصیتوں کو منہدم کرنا ہوگا۔ اساطیر اور اس سے متعلقہ رسومات نے حجری لوگوں کی زندگی کو ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں داخل ہونے میں مدد کی، ایک ایسے انداز میں کہ جب بالآخر موت آپہنچی تو اسے ایک دوسرے سے قطعی نامعلوم طرز وجود کی آخری اور حتمی شروعات کے طور پر دیکھا گیا۔ یہ ابتدائی بصیرت کبھی گم نہیں ہوئی۔ بلکہ عورتوں اور مردوں نے جب انسانی تاریخ کے اگلے عظیم انقلاب میں قدم رکھا تو یہ بصیرت راہنمائی کے لیے ان کے لیے ہم رکاب تھی۔"(1)

مظہر الاسلام کا ناول "سارس کرین اپنے خوابوں میں سے اڑ کر جا چکے ہیں" یہ ایک پرندے کی سفر پر مبنی کہانی ہے۔ محبت ایک ایسی لامتناہی حقیقت ہے جس سے ہر ذی روح چیز کو انکار نہیں۔ ناول نگار کے خیال میں ہر انسان کے اندر ایک پرندہ ہوتا ہے۔ جو اپنی عشقیہ داستان کا حامل ہوتا ہے۔ تاہم ناول نگار نے بچپن میں جنوں، پریوں اور دیوتاؤں کے متعلق بہت سی کہانیاں سن رکھی تھیں۔ لیکن حقیقت میں آج تک کسی انسان نے دیوتاؤں اور پریوں کو نہیں دیکھا۔ اس کے باوجود ہر شخص ان کی ماورائی طاقت کو تسلیم کر لیتا ہے۔ مظہر الاسلام کو جنوں اور پریوں پر مشتمل کہانیاں ان کو بچپن میں فارسٹ گارڈ سناتا تھا جو ان کی دلچسپی کا باعث بنتی تھیں۔ اس بارے میں ناول نگار بیان کرتا ہے:

> "فارسٹ گارڈ نے پرندوں کی مجھے بہت سی کہانیاں سنائیں۔ جنھیں سن کر پرندوں میں میری دلچسپی مزید گہری ہو گئی۔ برسوں بعد میں نے لوک ثقافت پر تحقیق شروع کی تو بچپن میں سنی ہوئی پرندوں کی کہانیوں کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے جوڑ کر انہیں پھر سے مکمل کر دیا۔ اس کی قوت کا مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ آگے چل کر میری عمر کے کسی حصے میں یہ پرندے اس جنگل سے نکل کر میرے دل میں اپنے گھونسلے بن لیں گے۔ بچپن میں میں نے پرندوں کے بہت سے پنکھ جمع کیے تھے۔ ان دنوں میں یہ سوچ کر پرندوں کا انتظار کیا کرتا تھا کہ کوئی نہ کوئی پرندہ اپنے پنکھ لینے کے لیے میرے کمرے کی کھڑکی سے اندر ضرور آئے گا۔ ان دنوں مجھے نیلے رنگ کی چڑیا اور روبن چڑیا دونوں بہت ہی پیاری لگتی تھیں۔"(2)

ناول نگار نے بچپن میں اپنے گھریلو ملازم سے جو محکمہ جنگلات میں تعینات تھا۔ ان کی زبانی کئی عجیب و غریب پرندوں، جنوں، پریوں اور دیوتاؤں کے متعلق کئی داستانیں سن رکھی تھیں۔ گارڈ ناول نگار کو بچپن میں روزانہ پرندوں کے بارے میں نئی دلچسپ کہانی سناتا تھا۔ پرندوں کے بارے میں کہانیاں شعوری طور پر ان کے لیے مسرت کا سامان پیدا کرتی تھیں۔ مظہر الاسلام کے ناول میں موجود پرندے اور تارڑ کے منطق الطیر، جدید کے پرندوں مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ اس کا تذکرہ اپنے ناول منطق الطیر، جدید میں یوں بیان کرتے ہیں:

> "منطق الطیر کا آپرا کھیلا جا رہا ہے۔۔ سب پرندے انا کے تکبر میں مبتلا اور بیمار، اپنے اپنے حسن کے طلسم میں گرفتار، اپنے عشق میں مبتلا، اپنے بادشاہ سی مرغ کی تلاش میں نکلنے سے گریز کرتے ہیں۔ بہانے تلاش کرتے ہیں اور ہدہد جو خود سلمان علیہ السلام کے ڈاکیے ہونے نازاں ہے، جو سبا تک اس کے عشق کے مراسلے پہنچاتا ہے، انھیں سچ کی تلاش میں، سات وادیاں عبور کر کے کوہ قاف تک اڑانیں کرنے کے لیے قائل کر لیتا ہے۔ تو پھر لا حاصل، آخری بلندی پر قدم دھر نا لا حاصل۔۔ کہ۔۔ منطق الطیر جدید کے جتنے پرندے بھی تھے اداکار پرندے تھے وہ ان سب سے کلام کر چکا تھا"(3)

مظہر الاسلام کے ناول کا مرکزی کردار پرندہ بھی تین صدیاں پیچھے پرواز کرتے ہوئے۔ ان کو راستے میں کئی پرندوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ناول نگار کے ذہن میں بچپن کی سنی ہوئی کہانیاں ان کے لاشعور سے وابستہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناول

میں انھوں نے پرندے کی زبانی عشقیہ داستان کو بیان کیا ہے۔ناول میں مختلف کردار جادوئی اور ماورائی عناصر کا حسین امتزاج معلوم ہوتے ہیں۔انھوں پرندے کی زبانی طلسماتی حقیقت کے پھول ٹانکے ہیں۔ناول میں ذیلی کردار بھی اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ قاری کو طلسماتی حقیقت میں جکڑ لیتے ہیں۔کہانی میں اڑتے ہوئے پرندے، پر اسرار آندھیاں، بھیگے ہوئے غلطاں پرندے، جنگلی پھول، پرانے ڈاکخانوں کے مردہ خطوط، عبادت گاہوں کی چھتوں پر بیٹھے کبوتر اور قدیم ریلوے اسٹیشنوں پر لٹکتی ہوئی تصاویر اور سارس کرین کی وفاداری کا بیان قاری پر ساحر طاری کر دیتا ہے۔وہ اس جستجو میں رہتا ہے کہ آگے کیا ہو گا۔ناول میں حافظ، رومی، عطار کی شاعری اور تخیلاتی عملداری کو خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ناول میں ایک ٹائم ٹریولر پرندہ کی عشقیہ داستان ہے جو اکیسویں صدی سے پیچھے کی طرف اٹھارویں صدی کی طرف محو پرواز ہوتا ہے۔جہاں ان کا انتظار شدت سے کیا جا رہا ہے۔مظہر الاسلام اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "خواب میں وقت کے دروازے کی پہچان کا یہ عمل میں نے صوفیا کے معاملات عشق سے کشید کیا ہے۔خواب میں موجود اس دروازے کے اس طرف "حال" اور دروازے کے اس طرف نکل جائیں تو "ماضی" کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔میرا یہ ناول "سارس کرین اپنے خوابوں میں سے آڑ کر جا چکے ہیں" اس امر کی قابل ذکر مثال ہے۔اس ناول کا مرکزی کردار ایک ٹائم ٹریولر سارس کرین ہے جو ماضی کے زمانے میں پہنچنے کے لیے اپنے خواب میں راستہ بناتا ہے۔پہلے یہ کردار زمانہ حقیقت سے خواب میں داخل ہوتا ہے اور خواب کے اندر موجود دروازے سے وقت کے اس طرف ماضی کے حقیقی زمانے میں پہنچ جاتا ہے۔"(4)

ناول میں وقت انسان کا آئینہ ہے۔جو مختلف شکلوں کا روپ دھارے ہوئے ہے۔انسان ہمیشہ وقت کی بے لگام موجوں کے رحم و کرم پر اپنی زندگی کے ایام گزار رہا ہوتا ہے۔ناول میں کردار معاملات وقت میں سر گرداں نظر آتے ہیں۔لیکن وقت بے وفا لمحات کا چشم دید گواہ بن کر سامنے آتا ہے۔اس طرح صبح شام، گرمی اور سردی کے ایام وقت کے تغیر و تبدل میں اہم کردار ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔وقت دراصل سمندر کی بپھری ہوئی بے لگام موج ہے۔جو ہر چیز کو فنا کر کے رکھ دیتی ہے۔رومی کا مجسمہ، منصور حلاج کا جبہ اور مونالیزا کی مسکراہٹ بھی دراصل وقت ہی ہے۔کہانی میں اس طرح کے ماورائی اور طلسماتی کردار قاری کو حیرت میں ڈال کر جادوئی حقیقت نگاری کا باعث بنتے ہیں۔ناول کی فضا طلسماتی انداز سے قاری کے لیے دلچسپی کا باعث بنتی ہے۔ققنس ایک تخیلاتی پرندہ ہے اس کے بارے میں بہت عجیب و غریب روایات پائی جاتی ہیں۔اس پرندے کی عمر پانچ سو سے چھ سو سال تک ہوتی ہے۔اس کے حوالے ایک مشہور روایت یہ ہے کہ جب اس کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے اور پھر زندگی میں ایک مرتبہ دیپک راگ گاتا ہے۔اس کے بعد اپنی آتش محبت میں جل کر راکھ بن جاتا ہے۔لیکن جب بارش اس راکھ پر برستی ہے تو اس کی راکھ ایک انڈے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔جس سے ققنس دوبارہ جنم لیتا ہے۔ناول "سارس کرین اپنے خوابوں میں سے اڑ

کر جاچکے ہیں" کی ابتداء پر اسرار انداز میں ماورائی عناصر سے تشکیل پاتی ہے۔ اس حوالے سے کہانی کا آغاز طلسماتی انداز میں ہوتا ہے۔ اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> "ابر آلود سہہ پہر کے وقت جب میں ڈپارچر لاؤنج میں داخل ہوا تو دیوار پر آویزاں نیلگوں جھیل کے کنارے آبی پرندوں کے ہجوم کی ایک خوبصورت بڑے سائز کی پینٹنگ کے سائے میں بیٹھی ہوئی لڑکی کے تابناک حسن کی شعاعوں میں چھپے ہوئے پیغامات کی پر اسرار لہریں مجھے اپنے ساتھ بہا کر اس علاقے میں لے گئیں۔ جسے اس لڑکی نے اپنے ملکوتی حسن سے منور کر رکھا تھا۔ جھیل اور پرندوں کی پینٹنگ اس قدر زندہ، جاندار اور متحرک تھی کہ وہاں پرندوں کی آمد و رفت کو دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ لڑکی ابھی ابھی اس پینٹنگ سے نکل کر آئی ہے۔ میں اس لڑکی کے قریب ہی ایک نشست پر بیٹھ گیا تو یکدم مجھے احساس ہوا کہ وہاں ان پھولوں کی پر اسرار خوشبو پھیلی ہوئی تھی جو پھول وہاں تھے ہی نہیں۔ میں پھولوں کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مگر مجھے پھول کہیں نظر نہیں آئے۔ میری بے چینی کو دیکھ کر خوشبو نے میری رہنمائی کی تو مجھے پتہ چلا کہ اس لڑکی کے اندر پھولوں کا ایک باغ تھا اور یہ خوشبو وہیں سے آرہی تھی۔"(5)

لڑکی کے اندر پھولوں کا باغ ہونا قاری کے لیے حیرت کا باعث بنتا ہے۔ لڑکے کی مافوق الفطرت عناصر کی حامل لڑکی سے ملاقات طلسماتی حقیقت کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ پینٹنگ کے سائے میں تابناک حسن سے سرشار لڑکی کا حقیقی دوشیزہ کا روپ دھار لینا ماورائے عقل حقیقت پسندی کو جنم دیتا ہے۔ پھر اس کے جسم میں پر اسرار خوشبو پر مبنی باغ کا ہونا جادوئی حقیقت نگاری کی ترویج کا باعث بنتا ہے۔ سارس کرین پرندہ بے پناہ حقیقی محبت کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔ ناول نگار کے مطابق سارس کرین زندگی میں ایک مرتبہ محبت کر کے ہمسفر بناتا ہے۔ ان کی اس محبت کو راسخ العقیدہ عظیم پیامبر کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ناول نگار کے مطابق سارس کرین اپنی لازوال محبت کا اظہار اس طرح کرتے دکھائی دیتے ہیں:

> "تمہارا پسندیدہ پرندہ کونسا ہے؟ لڑکی سے پوچھا! وہ جھٹ سے بولی "سارس کرین"۔ کہنے لگی مجھے سارس کرین اس لیے اچھے لگتے ہیں کہ وہ زندگی میں صرف ایک بار محبت کرتے ہیں۔ ان کی پہلی محبت ہی ان کی آخری محبت ہوتی ہے اور وہ راہ محبت میں جان قربان کر دیتے ہیں۔ سارس کرین ایک ایسا پرندہ ہے جو شاید انسانوں کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ سارس کرینوں کی بگل جیسی موسیقی اور شاندار ڈانس دل کو مسحور کر دیتے ہیں۔ بعض ثقافتوں میں ایک رسم کو ادا کرنے کے لیے لوگ سارس کرین کا روپ دھار کر اپنا روایتی رقص کرتے ہیں۔"(6)

سارس کرین کو مراقبہ اور دھیان کی علامت بھی قرار دیا جاتا ہے۔ جاپانی لوگ اپنی خوشی کے موقعہ پر نوبیاہتا جوڑے کے لیے ایک ہزار سارس کرین کی رسم ادا کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس رسم کو ادا کرنے سے ان کی زندگی میں خوشیاں لوٹ آتی

ہیں۔اس لیے اس رسم کو نو بیاہتا جوڑے کے لیے مبارک تصور کیا جاتا ہے۔ہندوستان کے بادشاہ جہانگیر کے سامنے جب علم الطیور کے ایک ماہر نے سارس کرین کی اپنے جوڑے کے ساتھ والہانہ عشق و محبت اور زاہدانہ پرستش کو بیان کیا۔تو انھوں نے ایک جوڑا منگوایا کچھ عرصہ کے بعد سارس کرین کی مادہ مر جاتی ہے۔لیکن سارس کرین اپنی مردہ سارس کو کسی صورت میں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور ان کی ہڈیوں پر بیٹھ جاتا ہے۔سارس مسلسل ہڈیوں پر بیٹھنے کی وجہ سے لاغر ہو جاتا ہے۔حتیٰ کہ مرنے کے قریب ہو جاتا ہے۔جب ان کو سارس کی باقیات سے اٹھایا جاتا ہے تو ہڈیوں پر مسلسل بیٹھنے کی وجہ سے ان کے بدن میں کیڑے پڑ چکے ہوتے ہیں۔سارس کرین علامتی طور پر لازوال محبت وعشق کے متلاشیوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوتی ہے۔اس حوالے سے ناول نگار لکھتے ہیں:

> "شہنشاہ جہانگیر کو بھی اس پرندے کی عاشقانہ پرستش اور زہد وعبادت نے اس وقت اچھنبے میں ڈال دیا تھا۔جب اس نے دیکھا کہ ایک سوگوار سارس کرین اپنے مرے ہوئے محبوب کی ہڈیوں کو بھی چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا تھا۔وہ سارس کرین اس قدر لاغر ہو چکا تھا کہ خود بھی قریب المرگ تھا۔جب اسے اس کی باقیات سے اٹھایا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی کرم خوردہ چھاتی کو کیڑوں نے بالکل کھوکھلا کر دیا تھا۔۔۔جاپان کی ایک روایت کے مطابق شادی کے موقع پر کاغذ کے ایک ہزار سارس کرین بنا کر ایک رسم ادا کی جاتی ہے۔جو نو بیاہتا جوڑے کی زندگی میں خوشی لے کر آتی ہے۔چین کی لوک روایت میں سارس کرین روحوں کو ابدی لافانیت کی طرف لے کر جاتے ہیں۔"(7)

ڈیپارچر لاؤنج میں لڑکی کا تھوڑی دیر تک ٹائم ٹریولر لڑکے سے باتیں کرنے کے بعد اچانک پرندے کی صورت میں اڑان بھر کر فضا میں گھرے ہوئے بادلوں میں گم ہو جانا قاری کے لیے حیران کن منظر نامہ پیش کرتی ہے۔لڑکی کا اڑان بھرتے وقت اس کا ایک پنکھ فرش پر گر جاتا ہے۔لڑکا اس کو اٹھا کر اپنے کوٹ کی جیب میں محفوظ کر لیتا ہے۔پرندوں کے ماہرین پنکھ کو خوش قسمتی کی علامت قرار دیتے ہیں۔دنیا میں بعض قبائل پرندے کے پنکھ کو الوہیت اور روحانیت کی چیز تصور کرتے ہیں۔صوفیا نے پرندوں کے بارے میں اہم انکشافات کیے ہیں۔ان کے خیال میں پرندے روح کے استعارے کے طور پر نمودار ہوتے ہیں۔فریدالدین عطار نے اپنی کتاب "منطق الطیر" میں پرندوں کے احوال کو مفصل بیان کیا ہے۔

مظہر الاسلام کا ناول "سارس کرین اپنے خوابوں میں سے اڑ کر جا چکے ہیں" طلسماتی حقیقت نگاری کی تکنیک پر پورا اترتا ہے۔ناول میں لڑکی کا کردار ماورائے عقل اور مافوق الفطرت عناصر سے تشکیل پاتا ہے۔ڈیپارچر لاؤنج میں پینٹنگ شدہ لڑکی کی تصویر ماورائی انداز سے بیک وقت مختلف روپ میں نظر آتی ہے۔بالآخر پرندہ بن کر فضا میں گم ہو جاتی ہے۔لیکن لڑکے کے لیے یہ واقعہ حیران کن ثابت ہوتا ہے۔لیکن لڑکا جب لڑکی کا گرا ہوا پنکھ اپنی جیب میں رکھتا ہے تو طلسماتی انداز میں لڑکا بھی پرندہ بن جاتا ہے اور ٹائم ٹریولر بن کر اکیسویں صدی سے اٹھارویں صدی کی طرف محو پرواز ہو جاتا ہے۔ناول میں پروفیسر دانش علی کا کردار بھی مافوق الفطرت عناصر کی تشکیل میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ان کی لکھی ہوئی تقریر ماورائی انداز میں گلی کوچوں اور چوراہوں میں پرندے کی

طرح اڑتی پھرتی اور مختلف جگہوں پر آویزاں ہوتی رہتی ہے۔ شہر کے لوگ اس منظر نامے کو دیکھ کر مبہوت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ پروفیسر دانش علی کی اچانک گمشدگی بھی قاری کے لیے حیرت کا باعث بنتی ہے۔ لیکن ان کی تقریر حکمران طبقے کے لیے مزاحمت کا کام کرتی اور لوگوں کے جذبات واحساسات کو ابھارتی رہتی ہے۔ پروفیسر صاحب نے فلسفہ میں ارسطو کے موضوع پر پی ایچ-ڈی کر رکھی تھی۔ ان کی لکھی ہوئی تقریر ایک دن جب سرخ آندھی چل رہی تھی۔ اس وقت کالج کی دیوار پھلانگ کر میونسپل کمیٹی کا رخ کرتی ہے اور میونسپل کمیٹی کے گیٹ سے داخل ہو کر ٹیبل پر پڑے رجسٹر میں اپنا اندراج کرتی ہے۔ اس کے بعد کمیٹی افسران کے گھروں کے دروازوں پر دستک دیتی ہوئی میئر کے گھر داخل ہو جاتی ہے۔ شہر کا میئر دانش علی کی کتابوں اور ڈائریوں کو جلا دینے کا حکم صادر کرتے ہیں۔ دوسرے دن کوڑا چننے والی لڑکی پالی وہاں سے ادھ جلی ڈائری کو اٹھاتی ہے تو ڈائری ان سے ہم کلام ہوتی ہے۔ شام کو جب کباڑ خانے کوڑا بیچنے جاتی ہے تو ادھ جلی ہوئی ڈائری اڑ کر حکیم کے مطب میں گھس جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کمرے میں پھڑ پھڑاتے ہوئے زوردار ہوا کا جھونکا ان کو اغوا کر کے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ دانش علی کی ڈائری کا ہوا میں اڑنا، دروازوں پر دستک دینا اور رجسٹر پر اپنا اندراج کرنا طلسماتی تشکیل کی وجہ بنتا ہے۔ تاہم پروفیسر کی لکھی ہوئی تقریر جادوئی حقیقت نگاری کا سبب بنتی ہے۔ ناول نگار اس محیر العقول منظر نامے کو یوں بیان کرتا ہے:

> "کباڑ خانے سے دانش علی کی ڈائری کا وہ ورق جو جلنے سے بچ گیا تھا اڑ کر پہلے بازار میں حکیم کے مطب خانے کے سامنے آگرا۔ کچھ دیر وہاں پھڑ پھڑاتا رہا لیکن اچانک ہوا کا زوردار جھونکا اسے اغوا کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ کچھ دیر اسے ہوا میں ہچکولے دیتا رہا اور پھر چھوڑ دیا۔ تو وہ اس طرح حرکت کرنے لگا جیسے کوئی اپنے قلم سے کچھ تحریر کر رہا ہو۔ ایسے لگا جیسے اپنے قلم سے دانش علی تقریر کو ہوا کی نوٹ بک میں درج کر رہے تھے۔ ڈائری کا صفحہ آہستہ آہستہ نیچے اترا اور کنی کھا کر گھڑی ساز کی دکان کے اندر آگیا اور دانش علی کے وال کلاک پر گر پڑا۔ جسے گھڑی ساز اس وقت مرمت کرنے میں مصروف تھا۔ گھڑی ساز اسے اٹھا کر پڑھنے لگا۔ گھڑی ساز کے لیے یہ لمحہ طلسماتی تھا۔ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ دانش علی کی اس روشن تقریر کا صفحہ اسے ڈھونڈتا ہوا سہ پہر تین بجے اس کی دکان پر آجائے گا۔"(8)

ناول میں ایسے شہر کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ جس کے باسی صحت مند ہونے کے باوجود بیساکھیوں کا سہارا لیتے ہیں۔ کیونکہ اس شہر کا ہر شخص ترقی وخوشحالی کا راز بیساکھی کو تصور کرتا ہے۔ تاہم شہر کے بازار میں بیساکھیوں کا کاروبار عروج پر دکھائی دیتا ہے۔ شہری لوگ جنازوں میں شرکت کرنے سے گھبراتے ہیں۔ مردے کو قبر میں دفنانے کے لیے بیساکھی ان کے ساتھ ہی دفن کر دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح دنیاوی زندگی میں بیساکھی نے سہارا دیا ہے اس طرح آگے کی منازل میں بھی معاون ثابت ہوگی۔ اس طرح کے خیالات فنتاسی کیفیت کے من گھڑت یقین کو جنم دیتے ہیں۔ ناول کا مرکزی کردار لڑکا جو ٹائم ٹریولر کی صورت میں پرندہ بن کر اکیسویں صدی سے اٹھارویں صدی کی طرف محو پرواز ہے۔ لہٰذا ایک صدی سے دوسری صدی کو عبور کرنے میں کئی مسائل و

مشکلات سے ان کو گزرنا پڑتا ہے۔ پراسرار وادیوں اور پیچیدہ مقامات سے گزرتے ہوئے۔ مختلف یاداشتوں کی ڈائریوں اور محبت ناموں کے لازوال سلسلوں کو بھی عبور کرنا پڑا۔ دوران سفر اس کو ایسے شہر میں بھی ٹھہرنا پڑا جہاں شرم و حیا، اخلاق، تہذیب، ایمانداری، نیکی اور بھائی چارے کو معاشرتی زندگی سے نکال دیا گیا تھا۔ شہر کے باسی عجیب و غریب نفسا نفسی کے عالم میں زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ یہاں کے جج صاحبان جعلی اور من گھڑت فیصلے عوام پر مسلط کرتے نظر آتے ہیں۔ اس شہر میں ایماندار ثابت کرنے کے لیے عدالت سے سرٹیفیکیٹ لینا پڑتا ہے۔ شہر میں ہر چیز مصنوعی ہے۔ دولت اور اقتدار کے پجاری غرور و تکبر سے بھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے دوغلے پن کو لائق تحسین تصور کیا جاتا ہے۔ شہر کی لائبریریوں کو متروکہ املاک قرار دیا گیا ہے۔ لوگ کتابیں نہیں پڑھتے اور نہ ان میں پھول رکھتے ہیں۔ شہر میں ایک بلیو برڈ رہتا ہے۔ ٹائم ٹریولر کو بتاتا ہے کہ اس شہر کے زیادہ جج ریٹائرمنٹ کے بعد پاگل پن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ اکیسویں صدی کے لوگ ہیں۔ جن کو اس طرح کے حالات و واقعات کا سامنا ہر قدم پر کرنا پڑتا ہے۔ اکیسویں صدی کو بہروپیوں کی صدی کہا جاتا ہے۔ ناول میں پرندے ایک دوسرے کی مدد کرتے بھی نظر آتے ہیں۔ ان کی فطرت ابھی باقی ہے کیونکہ وہ فطرت پر قائم رہتے ہیں۔ ایک پرندہ جو غول کے ساتھ محو پرواز تھا مگر بدقسمتی سے شکاری کے جال میں پھنس چکا ہے اور دوسرے پرندوں سے مدد کی یوں استدعا کرتا ہے:

> "اس قصے کا راوی ایک پرندہ ہے اور ایک ایسے غول کے ساتھ محو پرواز ہے جو شکاری کے دام میں پھنس چکا ہے۔ جال سے نکلنے کی تمام کوشش ناکام ہو چکی ہے۔ اس عالم یاسیت میں ہر کوئی درد کے ساتھ جینے کا عادی ہو چکا ہے۔ ایک روز انہوں نے پرندوں کا ایک جھنڈ دیکھا جو شکاری کے پھندے سے بچ کر محو پرواز تھا۔ مگر وہ جال جن مین وہ پھنسے تھے ان جالوں کی رسیاں ابھی تک ان کے پنجوں کے ساتھ جھول رہی تھیں۔ قصہ بیان کرنے والا پرندہ ان پرندوں سے پوچھتا ہے تم کیسے آزاد ہوئے؟ شروع میں تو شکاری کی چالوں سے خوفزدہ پرندے اس راوی پرندے سے بات کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ پھر وہ اسے فرار کرانے میں اس کی مدد کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جب وہ اپنی رسیاں کھولنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو وہ پرندے کہتے ہیں کہ اگر ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم سب سے پہلے وہ رسیاں اتار پھینکتے جنھوں نے ہمارے پاؤں کو بوجھل کیا ہوا ہے۔ وہ پرندہ قفس سے بلند ہوتا ہے اور دوسروں کے ساتھ محو پرواز ہو جاتا ہے۔"(9)

مظہر الاسلام انیسویں صدی کو زندگی کا چمن زار تصور کرتے ہیں۔ ٹائم ٹریولر پرندہ اس صدی کو پار کر کے اٹھارویں صدی میں پہنچنا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہاں ان کا شدت سے انتظار ہو رہا ہوتا ہے۔ انیسویں صدی خوش گلو پرندے کی طرح گیت گاتی ہے۔ اس صدی میں رہنے والے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ یقین ہوتا ہے۔ لوگ دعا اور بد دعا پر کامل یقین کے قائل نظر آتے ہیں۔ یہاں کے لوگ مولانا روم کی شاعری کو ادب سے رحل پر رکھ کر پڑھتے ہیں۔ یہاں کے آرٹسٹ خوبصورتی کو تخلیق کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ معاشرتی زندگی میں بزرگوں کے اقوال کو مد نظر رکھتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ انیسویں صدی کے انسان نرم

مزاج، ہمدرد اور غمگسار ہوتے ہیں۔ان کو کتابوں سے بھی محبت ہوتی ہے۔لیکن ٹائم ٹریولر ان کی لائبریریوں کو دیکھ کر متاثر ہوتا ہے۔کیونکہ وہ لوگ اپنا زیادہ وقت لائبریریوں میں صرف کرتے تھے۔مغربی عظیم شاعر اور ڈرامہ نگار گارسیالور کو جب سپین میں فوجیوں نے قتل کیا تو ان کی روح اچانک ایک پرندے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔آسکر وائلڈ کی نظم "بلبل اور سرخ گلاب" جس بلبل کا تذکرہ انھوں نے نظم میں کیا ہے۔انیسویں صدی میں سفر کرتے ہوئے اس بلبل کی ملاقات اس نوجوان ٹائم ٹریولر سے لائبریری ہو جاتی ہے۔اس بارے میں مظہر الاسلام لکھتے ہیں:

> "یہ وہی بلبل ہے جو آسکر وائلڈ کی کہانی سے نکل کر آئی ہے اور اس کی خواہش کے مطابق وقت کے اندر سفر کرتے ہوئے اس کی روح کو انیسویں صدی میں لے آئی ہے۔آسکر وائلڈ کی کہانی "بلبل اور سرخ گلاب" میں اس بلبل نے ایک نوجوان طالب علم سے پوچھا کہ وہ اس قدر اداس کیوں ہے؟نوجوان نے بلبل کو بتایا کہ ایک لڑکی جس وہ محبت کرتا ہے،اس صورت میں اس کی محبت کا مثبت کا جواب دے گی۔جب وہ اس کے لیے سرخ گلاب لے کر جائے گا۔مگر اس وقت گلابوں کا موسم ہی نہیں تھا۔بلبل نے نوجوان کی محبت کو بچانے کی خاطر سرخ گلاب حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کی قربانی دے دی۔گلاب کے پودے نے بینا سے کہا کہ وہ اپنے دل کے لہو کا ایک قطرہ اسے دے دے تاکہ وہ اسے سرخ گلاب کا تحفہ دے سکے۔کانٹا بلبل کی چھاتی میں چبھ گیا اور اس کی زندگی چلی گئی۔"(10)

ٹائم ٹریولر پرندہ وہاں سے اڑ کر لائبریری میں داخل ہو جاتا ہے۔لائبریری میں ایک نظر انداز گوشہ تھا۔ان میں ایک میز پڑی ہوئی تھے۔پرانے زمانے کے معروف درویش وہاں پر موجود تھے۔ان کی آنکھوں میں لفظوں کے جگنو منڈلا رہے تھے۔آپس میں آزادی اور جمہوریت کے بارے میں محو گفتگو تھے۔اس جگہ شب کو بھی روحیں اکٹھی ہوتی تھیں۔اس شہر میں ایک یاد محل بھی تھا۔جو نابینا لڑکے کی یادوں سے وابستہ تھا۔اس نابینا لڑکے کو ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔لڑکے نے اس کے لیے ایک پورٹریٹ بنایا۔جو بالکل اسی کی شکل وصورت پر مشتمل تھا۔حالانکہ انہوں نے بینانہ ہونے کی وجہ اس کو کبھی دیکھ بھی نہ سکا تھا۔لیکن لوگ یہ جان کر حیران ہو گئے۔جب ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو نابینا نے کہا!میری روح اور اس کی روح روزانہ آپس میں ملاقات کرتی رہتی ہیں۔اطرح گارسیا مارکیز کی روح بھی ابابیل کی صورت میں انیسویں صدی میں آگئی تھی۔اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> "گارسیا کا انتقال تو اکیسویں صدی میں ہوا تو کیا اس کی روح بھی ابابیل کا روپ دھار کر وقت کے اندر سفر کرتی ہوئی انیسویں صدی میں آگئی تھی۔گارسیا مارکیز نے اپنے ناول 'پیش گفتہ موت کی سرگذشت' میں پرندوں کے حوالے سے زندگی بعد از موت کے تصور کو اجاگر کیا۔ابابیل ایک خوش مزاج پرندہ ہے جو آسمانوں کی وسعتوں میں ایک مضبوط مواصلاتی نظام قائم کرلیتا ہے۔روبن چڑیا بولی!یونانی میتھالوجی میں ابابیل کو خوبصورتی اور محبت کی دیوی تصور کیا جاتا ہے۔گارسیا مارکیز کی روح نے اس لیے ابابیل کا لباس

> پہن لیا ہے کہ مارکیز بھی محبت کا ایک دیوتا تھا۔ جس نے اپنے کرشماتی تخیل سے عالمی ادب میں محبت کے نئے پھول کھلائے۔"(11)

محولہ بالا بیان میں گارسیا مارکیز کی روح کا ابابیل کی صورت میں ظاہر ہونا کرشماتی تخیل کو جنم دیتا ہے۔جو قاری کے لیے حیرت کا باعث بنتی ہے۔ان کو اس تکنیک کی بدولت جادوئی حقیقت نگاری کا امام تصور کیا جاتا ہے۔ان کے ناول "تنہائی کے ایک سو سال" کو طلسماتی کرداروں کے بدولت نوبل پرائز سے نوازا گیا۔ان گمنام یادوں میں ملاح اور کی محبوبہ کی طلسماتی یادیں بھی محفوظ تھیں۔ملاح ایک کامیاب عاشق تھا جس کو دنیا میں محبوب کا وصل حاصل رہا۔اس کے بعد ٹائم ٹریولر پرندہ محل سے نکل کر قدیم تاریخی ڈاکخانے میں داخل ہو گیا۔یہ ڈاکخانہ اب متروک املاک تصور کیا جاتا تھا۔لیکن مردہ خطوط کے لیے مخصوص تھا۔ڈاکخانے اور ریلوے اسٹیشن سارس کرینوں کی زندگی کے لیے راہ نشانات ہوئی تھے۔ڈاکخانوں میں مردہ خطوط کو دیکھنے کے لیے فوت شدہ ڈاکیوں کی روحیں کبوتروں کی صورت میں آتی تھیں۔یہ تمام خطوط ان لوگوں کے تھے جو دنیا سے رخصت ہو چکے تھے یا ان پر مکمل پتہ درج نہیں تھا۔مردہ لوگوں کے خطوط کو مردہ خطوط کے خانے میں ڈال دیا جاتا تھا۔جہاں دو ڈاکیے سالک اور سفیر کی روحیں کبوتروں کی شکل میں ظاہر ہوتیں اوران خطوط کو چھانٹ کر قبرستان میں لے جا کر مردوں کی روحوں تک پہنچا دیتی تھیں۔جس کی وجہ سے مرے ہوئے لوگوں کو دنیاوی حالات سے آگاہی رہتی تھی۔اس طرح مردہ لوگوں کی طرف سے روانہ کیے گئے خطوط رات کی تاریکی میں موصل ہوتے تھے۔جن کو سالک ڈاکیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف تعینات تھا۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے خطوط کو چھانٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے پر بھی مامور تھا۔ناول نگار اس طلسماتی واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے:

> "اچانک دو کبوتر اڑتے ہوئے آئے۔وقت سرمئی چوغہ پہن کر ان کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔کبوتر لمحہ بھر کے لیے قریبی دریچے پر بیٹھ گئے۔انہوں نے اندر جھانک کر دیکھا اور پھر اڑ کر ڈاکخانے میں موجود خطوں کے مردہ خانے میں اتر گئے۔مجھے اچنبھا ہوا۔میں نے غور سے خطوں کے مردہ خانے میں جھانکا تو میں حیران رہ گیا۔وہ دونوں کبوتر جو ابھی ابھی اڑ کر اندر گئے تھے اور جن کے پیچھے پیچھے وقت بھی تھا ان کبوتروں نے انسانوں کا روپ دھار لیا اور ڈاکیے کی وردی پہن لی تھی۔وقت جو ان کے پیچھے پیچھے آرہا تھا اب ان کے اندر تحلیل ہو گیا تھا۔"(12)

مندرجہ بالا اقتباس میں کبوتروں کا ڈاکخانے میں پہنچ کر انسانی روپ دھار کر وردی کا پہن لینا طلسماتی حقیقت نگاری کا سبب بنتا ہے۔جو قاری کو حیرت اور ناقابل یقین صورت حال سے دوچار کر دیتی ہے۔ناول میں سالک اور سفیر ڈاکیے کے کردار بھی ماورائی عناصر پر مشتمل ہیں۔کیونکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت اور وراوالوراذات ہے۔جس کا تصور دنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنت کے رہنے والوں کو اپنا دیدار نصیب فرمائیں گے۔سالک اور سفیر ڈاکیے کی روحیں صدیوں پرانے خطوط کی پہچان کاغذ اور لکھائی سے کر لیتی تھیں۔دونوں ڈاکیے مرنے کے باوجود بھی خدمت انسانیت سے سرشار نظر آتے ہیں۔اس طرح ایک لڑکی کو لکھا گیا خط اس وقت موصول ہوتا جب وہ بوڑھی ہو چکی ہوتی ہے اور خط لکھنے والا دار فانی سے کوچ کر چکا

ہوتا ہے۔ ٹائم ٹریولر پرندے نے اڑان بھر کر درویش گلی میں پہنچا اور بھول گلی کے کنارے پر واقع حویلی کی چھت پر اتر گیا۔ وہاں یہ جان کر حیران ہو گیا کہ وہ لڑکی جو ان کو اکیسویں صدی میں ایئر پورٹ کے لاؤنج میں ملی تھی بیٹھی کتاب کے مطالعے میں مصروف ہے۔ لڑکی نے جب مجھے دیکھا تو بہت مسرت کا اظہار کیا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ صدیوں سے میرا انتظار کر رہی ہو۔ لرکی نے مجھے اترنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا آؤ اور دانہ چگ لو۔ میں حیران تھا کہ اس کو کیسے معلوم ہے کہ سارس کرین کیا کھاتے ہیں؟ کیونکہ میں اکیسویں صدی میں انسان تھا اور اٹھارویں صدی کی طرف سفر کرتے ہوئے سارس کرین بن چکا تھا۔ لہٰذا اٹھارویں صدی کی جھیل کے کنارے سارس کرینوں کی بستی کی طرف عازم سفر تھا۔ جہاں پر میری پہلی پیدائش ہوئی تھی۔ اس منظر نامے کو ناول نگار اس طرح بیان کرتا ہے:

> "میرے اندر احساس جاگا کہ کیا اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ میں اکیسویں صدی میں ایک انسان تھا اور اب اپنے پہلے جنم میں لوٹ آیا تھا جب میں سارس کرین تھا۔ کیا اس لڑکی کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ میں وقت کے اندر سفر کرتا ہوا اٹھارویں صدی میں جھیل کے کنارے آباد سارس کرینوں کی بستی کی جانب لوٹ رہا تھا۔ جہاں میرا پہلا جنم ہوا تھا۔ کیونکہ سارس کرین کئی برسوں بعد بھی اس جگہ لوٹ آتے ہیں جہاں ان کا جنم ہوا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ماہر پرندگئی تجربات کر چکے ہیں۔"(13)

مظہر الاسلام کا ناول کرداروں کے لحاظ سے ماورائی اور مافوق الفطرت عناصر پر مشتمل ہے۔ اس میں روحوں کا چلنا پھرنا اور کام سر انجام دینا قاری کے لیے عجیب و غریب کیفیت کا سبب بنتا ہے۔ اس حوالے سے ناول کے تمام کردار حیرت انگیز اور جادوئی حقیقت کو جنم دیتے ہیں۔۔

حوالہ جات

1. کرن آرمسٹرانگ، اسطور کی تاریخ، (مترجم) ناصر عباس نیئر (لاہور: مشعل بکس، 2013ء)، 39۔
2. مظہر الاسلام، سارس کرین اپنے خوابوں میں سے اڑ کر جا چکے ہیں (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2023ء)، 13۔
3. مستنصر حسین تارڑ، منطق الطیر جدید (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2020ء)، 179۔
4. مظہر الاسلام، سارس کرین اپنے خوابوں میں سے اڑ کر جا چکے ہیں، 28۔
5. ایضاً، 32-31۔
6. ایضاً، ص35
7. ایضاً، 36-35۔

8. ایضاً،54۔
9. ایضاً،66۔
10. ایضاً،91۔
11. ایضاً،93۔
12. ایضاً،105۔
13. ایضاً،122۔

References in Roman Script

1. Kiran Armstrong, History of Mythology, (Translator) Nasser Abbas Nair (Lahore: Meshaal Books, 2013), 39.
2. Mazhar-ul-Islam, Sars Karain apny Khaboon main sy Urd chuky hain, (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2023), 13.
3. Mustanasir Hussain Tarr, Muniq al-Tir Jadid (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2020), 179.
4. Mazhar-ul-Islam, Sars Karain apny Khaboon main sy Urd chuky hain, 28.
5. Ibid, 32-31.
6. Ibid, p. 35
7. Ibid, 36-35.
8. Ibid, 54.
9. Ibid, 66.
10. Ibid, 91.
11. Ibid, 93.
12. Ibid, 105.
13. Ibid, 122.